عرفان وتصوف -انحراف یا اعتدال؟

مہدی باقر معراج

قدامت کے لحاظ سے تصوف کو قبل اسلام بھی تلاش کیا جاسکتا ہے مگر ظاہر ہے کسی چیز کی کہنگی اور تقدم اس کے سو فیصد درست ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ مابعد اسلام نے جہاں زندگی کے تمام طریقہ کار کو متاثر کیا وہاں یہ صاحبان طریقت بھی شریعت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، لہٰذا بعضوں نے ''صوفی ازم'' کے ظواہر وعوارض پر اکتفا کی اور عملاً طریقت کے تقاضوں کو شریعت کے احکام پر ترجیح دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجوداس کی تمام تر جذابیت اور نتیجہ خیز یوں کے علماء، دانشوروں اور صاحبان نظر کے بیچ ''صوفی ازم'' ایک باقاعدہ موضوع بحث بن گیا۔

درحالیکہ اگر شرح صدر اور وسعت نظر کے ساتھ جایزہ لیا جائے، تو ہم اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ تصوف اگر ماسوائے اسلام کوئی اصطلاح وتصور ہے تو زیر بحث آنا ہی نہیں چاہئے اور اگر یہ شامل اسلام ہے تو اس کا منصفانہ تجزیہ ضروری ہے، جیسا کہ خود صوفیائے بھی اس پر گفتگو کی ہے۔

ظاہر ہے کہ دین اسلام نے انسان کو مسلمان، مومن اور پھر منزل کمال پر اسے متقی دیکھنا چاہا ہے۔ اگر تصوف۔ ماسوائے اسلام، ایمان اور تقویٰ ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر ایک صوفی اچھا مسلمان، مرد مومن اور اعلیٰ درجہ کا متقی ہے، تو یہ اس کا امتیاز بھی ہے اس کی انفرادیت بھی۔

در اصل یہ ڈگر اتنی خطرناک ہے کہ جس میں منزل ملنے کا یقین بھی ہے اور راستہ گم ہونے کا خدشہ بھی۔ جو گم گشتۂ راہ ہوجاتے ہیں، وہ نہ صرف فکری انحراف بلکہ عملی بدذوقی کا بھی شکار ہوجاتے ہیں، احساس شکست وشرمندگی انہیں ایسی ظاہر داری اور عوارض کو اوڑھ لینے پر مجبور کردیتی ہے جو انہیں دیگر بندگان خدا سے اس طرح علیحدہ کردیتی کہ ان کی عام زندگی اور طریقۂ زندگی سے کوئی واسطہ اور سروکار ہی نہ رہ جائے۔ چنانچہ اس کے لئے انہیں منفرد اور مختلف ملبوسات سے لیکر درویشانہ اور فقیرانہ حلیہ اپنانے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں اپنے اہل وعیال، گھر بار، پاس پڑوس، عزیز ورشتہ دار، سماج اور معاشرہ سب کچھ تیاگ کے کسی قبر ومزار کے گوشہ وکنار کا سہارا لینا پڑتا ہے، درحالیکہ اسلام نے جو انسان کو مہذب وباوقار طریقۂ حیات دینا چاہتا ہے کبھی بھی اس طرح کی

غیر فطری اور غیر معتدل زندگی جینے پر مجبور نہیں کیا، چنانچہ اگر ہم اسلامی تاریخ تصوف کے سب سے بڑے صوفی حضرت علیؑ کی طرز زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم پائیں گے کہ آپ نے دوران خلافت بھی اتنی سادہ اور عام زندگی گذاری کہ ایک بڑھیا نے آپ کو عام عربی سمجھ کر اپنا بوجھ اٹھانے میں مدد کا مطالبہ کیا تو آپ نے اسے اپنے سر پر رکھ کر اس کے گھر تک پہونچا دیا۔ اس نے شکریہ ادا کرتے وقت آپ کا نام جاننا چاہا تو آپ نے فرمایا ''میں علی ابن ابی طالبؑ ہوں۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور وارثین اسلام نے حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کو کتنی اہمیت دی ہے، اور اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ سادگی اور انکساری کی مہار ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

پس تصوف کا عام تصور اور صوفی کی عام تصویر جو ہمارے ذہنوں میں ہے، وہ مکتب رسول وآل رسولؐ سے قطعاً معارض اور مغایر ہے۔ اسلام نے انسان دوستی کو آدم بیزاری پر اور سلجھی ہوئی معاشرتی زندگی کو تذبذب اور گوشہ نشینی پر ہمیشہ ترجیح دی ہے۔ اس نے کبھی بھی خشک پارسائی اور کو روا نہیں رکھا۔ علاوہ ازیں مقبروں پر بیٹھ کر اپنا قد اونچا کرنے والوں اور صاحب قبر کی للّٰہیت کا خراج وصول کرنے والوں کو اسلام قطعاً سراہنے کو تیار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معصومین علیہم السلام نے ایسے نام نہاد درویش اور صوفی نما افراد سے دھوکہ نہ کھانے کے لئے ہوشیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے پیغمبرؐ اکرم کا قول پیش ہے۔ رسول اسلامؐ جناب ابوذر سے فرماتے ہیں: میری امت میں ایسے لوگ بھی دکھائی دیں گے، جن کا لباس غیر اسلامی اور غیر مروج ہوگا اور وہ لوگ اس کو اپنی منزلت وعظمت کا سبب سمجھیں گے۔ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں'' وہ یعنی صوفی نما اور بناوٹی درویش حضرات ہمارے دشمن ہیں اور جو ان سے اظہار عقیدت کرے، وہ ہم میں سے نہیں''۔ امام محمد تقیؑ کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا کہ چند صوفی نما افراد کی جماعت مسجد میں داخل ہوئی اور کنارے بیٹھ کر مصروف ذکر وفکر ہوگئی، تو امامؑ نے فرمایا ان لوگوں کے قرب میں نہ جانا''[۱]

علاوہ ازیں علماء کی طویل فہرست ہے، جو مروجہ صوفی ازم سے شاکی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ میرزا جواد آقا ملکی جو خود بہت بڑے عارف تھے انہوں نے اپنی کتاب ''المراقبات'' میں تحریر کیا ہے کہ ''ترک مراسم شرعی (عبادات) جو نام نہاد صوفیاء کے یہاں عام طور پر دیکھا جاسکتا ہے، فکری انحراف اور عملی گمرہی ہے، اور ایسی گمرہی ہے جو دوسروں کو بھی گمراہ کرسکتی ہے۔''[۲]

آیت اللہ شہاب الدین مرعشی نجفی فرماتے ہیں:'' نام نہاد صوفیاء اسلام پر عظیم مصیبتوں میں

سے ایک مصیبت ہیں، انہوں نے اسلام کے فطری اور عقلی احکام پر عمل نہیں کیا۔''[۳]

آیت اللہ انصاری جو خود بھی صوفیانہ مزاج رکھتے تھے، عام طور پر صوفی سمجھے جانے والے افراد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''میں نے ان کے طرز حیات کا تجزیہ کیا تو اسلام کے مغایر پایا''۔ آپ نے اپنے فرزند سے ان لوگوں سے دور رہنے کو کہا، جو اصلاً درویش نہیں ہیں مگر ان کا ظاہر درویشانہ ہے۔ آپ نے ایسے لوگوں کو جو تلاش معاش اور کسب حلال کی زحمتیں نہیں برداشت کرتے، سماج کے لئے بوجھ جانا اور فرمایا کہ اسی لئے احادیث میں اس قسم کے صوفیاء مورد لعن قرار دئے گئے ہیں۔ اگر آپ سے کوئی سیر وسلوک کے رمز جاننا چاہتا تھا تو آپ فرماتے تھے'' پہلے اپنے آپ کو احکام الٰہیہ کا پابند بنالو پھر تقرب الٰہی کے اس عرفانی طریقہ کو اپنانا۔''[۴]

آیت اللہ محمد تقی بہجت جو غیر معمولی عرفانی شخصیت کے حامل ہیں فرماتے ہیں: '' اہم شرعی فرائض پر عمل کرنا انسان پر عرفان واقعی کی راہیں کھول دیتا ہے اور اس منزل پر پہونچادیتا ہے کہ وہ کہتا ہے' میں نے اس رب کی عبادت نہیں کی جس کو میں نے نہیں دیکھا''[۵] یعنی اصل سالک کے سلوک کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنی چشم بصیرت سے خدا کو ہر وقت اپنے ساتھ محسوس کرے۔''عرفان واقعیٔ کا التزام یہ ہے کہ وہ آدمی کو شرعی دستور حیات کا پابند بنادے اور وہ انسان کی مذہبی زندگی کے دونوں مرحلوں، عقیدہ اور عمل ، میں دکھائی دے، تبھی یہ ثمر بخش ہوتا ہے ۔ خانقاہوں اور صوفیاء کی مجلسوں میں شریعت کو صرف عقبیٰ کی کامیابی کا ذریعہ سمجھنا صحیح نہیں ہے''۔[۶]

مذکورہ تمام علامات کے باجود اگر کوئی یہ تصور کرے کہ یہی تو صوفی کا عین شرف ہے، جو انہیں عام مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے کیونکہ وہ ایسی ریاضت کرتے ہیں کہ اپنے وجود سے بھی بے نیاز ہوجاتے ہیں اور ان کا فکری تعمق ہی اوران کی نماز اور فاقہ کشی ہی ان کا روزہ ہوجاتی ہے،تو اسے یہ یقین کرلینا چاہئے کہ یہ رسولؐ وآل رسولؐ کا اتباع ہرگز نہیں ہے۔

البتہ وہ بندگان خدا جو دین کے تئیں فلسفیانہ نقطۂ نظر اور دینی پاکبازی کے ساتھ خدا جوئی کی راہ میں سلوک کرتے ہیں، وہ نہ فکری انحراف کے شکار ہوتے ہیں اور نہ عملی بدحالی کے، نہ ہی وہ عوارض پر بہت دھیان دیتے ہیں اور نہ ہی ظاہر داری پر، بلکہ وہ ہر حال میں ایک انسان کامل کی طرح، جو ہر رخ و ہر زاویے سے زندگی کو برتنا جانتاہو اور عقیدہ واحکام شرعیہ پر حتی الامکان عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھتا ہو، نہ تو وہ گوشہ نشینی کا مرتکب ہو اور نہ اہل خانہ

سے لاتعلقی کا۔ وہ پڑوس کا دھیان بھی رکھتا ہو اور بزرگوں کا لحاظ بھی ، وہ تلاش معاش بھی کرتا ہو اور کسب حلال بھی۔ مزید برآں ایک مضبوط معاشرہ کی تشکیل میں اس کا عملی حصہ ہو تو ایسے افراد واقعی صوفی یا عارف کہلانے کے مستحق ہیں۔

تصوف واقعی ، در اصل فنا فی اللہ ہونے کی اس جستجوئے پیہم کا نام ہے جو انسان میں ہر وقت قرب الٰہی کا احساس تازہ رکھے اور اس کی زندگی رضائے معبود حقیقی کے سانچے میں ڈھال دے۔ پھر وہ صرف نمازی نہیں ہوتا بلکہ اسے نمازوں سے عشق اور روزوں سے انس ہوجاتا ہے ، وہ امر بالمعروف کو اپنا شعار اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے دیتا ہے۔

ہوسکتا ہے کوئی یہ سوچے کہ ہر عام مسلمان سے اسلام کا یہی مطالبہ ہے تو پھر ایک صوفی و عارف باللہ ہی میں کیا خاص بات ہے، جو ایک عام مسلمان میں نہیں ہے؟ اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ یقیناً مطالبہ سب سے یہی ہے، مگر بات عمل میں سبقت گیری ، ملاحظہ کاری اور درجات ایمان ومعرفت کی ہے، جس میں بہرحال عرفان صوفیاء اور اولیاء اللہ عام مسلمانوں سے چند درجہ آگے ہے۔

تصوف واقعی اس ایمانی وجدان وعرفانی رجحان کا نام ہے، جسے پاکر انسان ترک گناہ میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ غزالی نے تصوف اسلامی کی تعریف یوں کی ہے : خود کو خدا کے لئے وقف کردینا ماسویٰ اللہ سب کو چھوٹا تصور کرنا تصوف ہے۔

بایزید بسطامی نے اپنے دوستوں میں سے ایک دوست سے کہا ''اگر تم کسی کو ایسا کرامتوں والا بھی پاؤ کہ وہ ہوا میں پرواز کرسکتا ہو، پھر بھی اس پر فریفتہ نہ ہو، بلکہ یہ دیکھو کہ وہ اوامرونواہی اور حدود شریعت کی کتنی رعایت کرتا ہے؟

ذوالنون مصری کے بقول حقیقی معنی میں مقرب بارگاہ خداوندی وہ ہے جو صحیح معنی میں افعال ، اخلاق ، اوامر ونواہی میں سنت پیغمبرؐ کا پیرو ہو۔

مذکورہ گفتگو کے پیش نظر اتنا تو طے ہوجاتا ہے کہ تصوف واقعی اسلامی اور ایمانی منزلوں اور عملی مرحلوں کو طے کرنے کے بعد میسر آتا ہے بشرطیکہ ہم اسلامی نظام حیات کے سارے شعبوں کے تقاضوں پر کھرے اتریں۔ ظاہر ہے کہ اسلام ظاہر وباطن ، تزکیۂ نفس اور واجبات ومحرمات کی رعایت کا وہ معتدل نظام ہے، جس میں محض ترک دنیا، ترک معاشرت، ترک ذات اور خرقہ پوشی کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی بلکہ قرآن وحدیث ،عمل رسول مقبولؐ ،شیوہ صالحین اور روش انبیاء وائمہ میں تقویٰ

سب سے اہم حکم ہے اورتقویٰ ترک تعلقات کانام نہیں، بلکہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کے حسین امتزاج کوتقویٰ کہتے ہیں۔ اگر تصوف اپنے معنوی اور عملی تقاضوں کے ساتھ تقویٰ کے مترادف ہے، تو بلاشبہ ہر متقی صوفی ہے۔

تصوف ایک عمل ہے جو ریاضت اور مرشد کی ہدایتوں سے تشکیل پاتا ہے۔ اس میں کشف وشہود کی منزلیں بھی ہیں۔ ہاں ! اگر اسلام وشریعت کے علاوہ اس کا کوئی اپنا مستقل مکتب فکر اور طرز عمل ہے تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ صفائے باطن ، زہداورتقویٰ کی ایک نکھری ہوئی شکل کا نام ہے، جس میں عمل ،عقیدہ کا آئینہ دار ہو تو ایسا تصوف عین اسلام ہے۔

تصوف ایک عملی سیاست بھی ہے اور انداز تبلیغ بھی، جس کے ذریعے انسان مخالف ماحول میں رہ کر بھی صرف مجتیں تقسیم کرتا ہے اور اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔ اس کا طرز حیات اتنا دلکش ہوتا ہے کہ ہر قسم کا مذہبی ومسلکی عداوت وعصبیت اس تک آتے آتے دم توڑدیتی ہیں اورپھر خدا اس کی زبان میں وہ چاشنی بھردیتا ہے کہ کوئی بھی اس کی گفتگو سے متاثر ہوئے بغیرنہیں رہتا۔

مرحوم شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں غالبًا اسی ہمہ گیریت، ہردلعزیز ی اور آفاقیت کی بنیاد پر بہت سے مومنین کوصوفیا اور اولیاء اللہ کی صف میں شمار کیا ہے۔

رہی اس کی افادیت کی بات، تو یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کم ازکم ہمارے ملک واطراف میں صوفیاء کے ذریعے پھولا پھلا اور پروان چڑھا،جنہوں نے بغیر کسی اقتدار واسلحہ، فوج ولشکر کشی انسانی برادری کی ایک بڑی تعداد کےقلوب کومسخر کیا اور ان میں اسلام وایمان کی داغ بیل ڈالی۔

علامہ مجلسی کے بقول سلمان ابوذر اور عمار اس راہ وروش کے صف اوّل کے مسافر ہیں اور سورۂ کہف کی ۲۸ ویں آیت کے مصداق بھی ہیں۔

خواجہ نصیر الدین طوسی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ ایمان کے مقامات میں بلندی حاصل کرے تو اسے چاہئے کہ نفس امارہ پر کنٹرول اور سخت ریاضت کرے تا کہ رحمت خدا کے دروازے اس پر واہوجائیں ،مگر یہ وہ قبانہیں ہے جو ہر قدوقامت کے آدمی پر زیب دے۔

علامہ مطہری: اہل عرفان ہمیشہ عارف کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں یا صوفی کی حیثیت سے۔ عرفان واقعی کا اسلام سے تضاد کا مسئلہ وہ اٹھاتے ہیں، جو اسلام یا عرفان سے کچھ دوسرے معنیٰ نکالتے ہیں۔ ؎

اسی طرح علامہ مطہری نے یہ بھی فرمایا ہے: ''روح وفکر کے امراض اور پریشانیوں کے لئے مرشد ومربی کی ضرورت صوفیہ کا شیوہ رہا ہے اس سلسلے میں ملا سلطان علی کا رسالہ ''ولایت نامہ'' اور ''بستان السیاحہ'' ملا زین العابدین شیرازی کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔''۸

علاوہ ازیں، اس سلسلے میں امام خمینی کے درج ذیل اشعار سے ان کے نقطہ نظر کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

دست آن شیخ ببوسید کہ تکفیرم کرد
محتسب را بنوازید کہ زنجیرم کرد
دل درویش بہ دست آر کہ از سرالست
پردہ برداشتہ آگاہ زتقدیرم کرد؟

مزید برآں امام خمینی نے دادگاہ انقلاب کے امان نامہ میں حضرت علی رضا کو سلطان الفقرا کے لقب سے خطاب کیا ہے، جو خود آپ کی عارفانہ اور متصوفانہ شخصیت کی عکاسی وغمازی کرتا ہے۔۹

مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرفان وتصوف کا راستہ بہت پر پیچ و دشوار گزرتو ہے لیکن اس میں موجود جاذبیت ودلکشی سے انکار ناگزیر ہے یہ ایسے باریک راستے کی طرح ہے جس کے ایک طرف شکوک وشبہات، تذبذب، گمرہی ہے، مگر دوسری طرف ایمان ومعرفت اور تقرب وتقدس ہے اور وہ بھی ایسا تقدس جو اپنے آس پاس اثرات مرتب کرے اور تشنگان ہدایت کو اپنی رہنمائی سے سیراب کرے۔ یہی مقصد بعثت پیغمبرؐ بھی تھا۔

حوالہ جات:

۱۔ سفینۃ البحار، ج ۲، باب صوف
۲۔ المراقبات، جواد بن شفیع ملکی تبریزی، ص ۵۳۲۔۵۳۱
۳۔ مرعشی نجفی تعلیق برکتاب احقاق الحق وازھاق الباطل۔
۴۔ درکوی بے نشان ہا، ص ۵۷، ۶۳۔۶۰ (مصطفیٰ کرمی نژاد) وموسسہ شمس الشموس، ص ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۲۹۔
۵۔ ارشاد حضرت امیر المومنین کی طرف اشارہ، جس میں آپ نے فرمایا، ''میں نے اس خدا کی عبادت نہیں کی جسے میں نے نہیں دیکھا'' یعنی عقل کی آنکھوں سے دیکھا۔

۶۔ سید محسن محمودی، مسائل جدید، ج ۳، ص، ۱۰۱ و ۱۹۳
۷۔ آشنائی با علوم انسانی ،ص ۳ و ۱۸۶
۸۔ جلوہ ہای معلّمی استاد، ص ۲۴
۹۔ دکتر ج۔ ا۔ تنہائی، جامعہ شناسی نظری اسلام ،